میں تطبیق دیتے ہوئے ایسے وسط زریں تک پہنچا جا سکتا ہے جس کا تعلق انسانی آزادی اور حاکمیت الٰہیہ دونوں کے اقرار کے ساتھ ساتھ انسانی فلاح و بہبود سے ہو۔ بشیر احمد ڈار تحریر کرتے ہیں:۔

''اگر ہم انسانی آزادی کے حق کو تسلیم کرنے سے انکار کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری سامان فراہم نہیں کرنا چاہتے۔ اسی طرح ہم خداوند کریم کے متعینہ ''مقصد'' کے حصول سے عمداً اجتناب یا گریز برتنے کے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یعنی اگر ہم جناب حضرت باری کی حاکمیت اعلیٰ سے انکار کر بیٹھیں تو ہم ایک ایسی دنیا میں رہنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ جو اخلاقی اعتبار سے بدنظمی، انتشار اور بدامنی کا گہوارہ بن جائے گی اور جہاں خیالات انسانی میں کوئی قابل اعتماد ہم آہنگی نہ ہونے کے باعث انسان کو روحانی تسکین کبھی میسر نہیں آئے گی۔'' ۱۳؎

یعنی انسان کی حقیقی آزادی کا راز خالق حقیقی کی غلامی میں مضمر ہے۔ اور صرف ایسی آزادی، جو خالق و مالک کی رضامندی اور اس کے دیئے گئے ضابطوں کے مطابق ہو، ہی انسانیت کی فلاح کی ضامن ہو سکتی ہے۔ محمد بخش مسلم، خالق حقیقی کے دیئے گئے انسانی فوز و فلاح کے نظام کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

''اسی قانون کے متوازی ایک دوسرا قانون بھی کارفرما ہے۔ اس کا تعلق نظام تکوینی سے نہیں، نظام تشریعی سے ہے۔ 'کیا ہے' سے نہیں 'کیا ہونا چاہیے' سے ہے۔ افعال کی جوابدہی اور اعمال کی ذمہ داری اسی عالم سے متعلق ہیں۔ جزا اور سزا کا صدور اسی قانون سے وابستہ ہے۔ اللہ نے جن طریقوں کو اپنا پسندیدہ فرما دیا ہے، اور حقیقتاً وہ سارے طریقے بندوں ہی کی فوز و فلاح کے ہیں، ان پر چلنے سے مرضیات الٰہی حاصل ہوتی ہیں اور انہی کے آخری اور انتہائی مقام کا نام مذہب کی اصطلاح میں جنت ہے۔ اور اس کے برعکس اللہ کے ناپسند کیے ہوئے طریقوں پر چلنا، اپنی ہلاکت و خسارہ کی راہ اختیار کرنا، مذہب کی زبان میں اللہ کے سخت عذاب کی طرف لے جانا ہے۔ جس کی آخری منزل کا نام جہنم ہے۔'' ۱۴؎

انسان اللہ کی ناراضگی کے کاموں سے بچ کر اپنے اعمال و افعال کے ذریعے اپنے آپ کو جنت میں داخلہ کا مستحق بنالے تو اسی مقام کو اسلام نے فلاح انسانیت کی اصل منزل قرار دیا

ہے۔ارشار باری تعالیٰ ہے۔

وانما توفون اجورکم یوم القیمة فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقدفاز. ۱۵؎

''اور بلا شبہ تمہیں اپنے اعمال کا پورا بدلہ (جزاوسزا) قیامت کے دن ملے گا اور جوکوئی (دوزخ کی) آگ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا پس تحقیق وہ کامیاب ہوگیا۔''

غلام جیلانی برق ،فلاح وکامیابی کی اس منزل کے تعین کی صورت میں احسان الٰہی کی ممنونیت کا اظہار درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:-

''مذہب سے مراد وہ روحانی دانش اور اخلاقی حکمت ہے جو ابن آدم کو اللہ نے انبیاء کی وساطت سے دی تھی۔انسان دنیا میں کس طرح رہے؟ دوسروں سے اس کے روابط کیسے ہوں؟ مقصد حیات کیا ہو؟ حصول عظمت کے لیے کون سے طریقے استعمال کرے؟ کس چیز کو خیر اور کس کو شر سمجھے؟ اور اپنے خالق ومالک سے کس قسم کے روابط رکھے؟ یہ ہیں وہ مسائل جن پر انسان نے صدیوں سوچا۔اس کے دانشوروں اور فلسفیوں نے مدتوں دماغ لڑایا لیکن وہ کسی یقینی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکے۔یہ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے بن کہے ہمیں فلاح وعظمت کے تمام راز بتادیے، خیروشر کی تفصیل سمجھا دی ،منزل کی راہ دکھلا دی اور ہمیں یہ بشارت بھی دی کہ اے لوگو تم میں سے جنہیں اپنی محنت ،صلاحیت ،اور پیہم عمل کا یہاں کوئی صلہ نہیں ملا۔خوش ہو جاؤ کہ آگے بھی ایک دنیا ہے جہاں ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا۔'' ۱۶؎

الیه مرجعکم جمیعا. وعدالله حقا. انه یبدء الخلق ثم یعیده لیجزی الذین امنو اوعملوا الصلحت بالقسط. ۱۷؎

''اسی (اللہ تعالیٰ) کی طرف تم سب نے اکھٹے لوٹ کر جانا ہے۔اللہ کا وعدہ (نہایت) سچا ہے۔بے شک ابتداء تخلیق بھی اسی نے کی ہے۔وہ پھر وہ عمل تخلیق کا اعادہ (کرتے ہوئے تم سب کو دوبارہ پیدا) کرے گا۔تاکہ مومنوں اور صالح اعمال کرنے والوں کو انصاف کے ساتھ (اچھا) بدلہ عطا کرے۔''

الغرض اعتدال وتوازن پر مبنی اسلام کا تصور آزادی انسان، خالق و مالک کی رضا مندی اور اس کی طرف سے دیئے گئے ضابطے کی مطابقت کے ساتھ وابستہ ہے۔اور اسی میں انسانیت کی دنیوی واخروی فلاح کی ضمانت میسر آسکتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ مظہر الدین صدیقی، اسلام کا نظریہ اخلاق، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، س ن ص ۱۷، ۱۸

۲۔ الدین القیم، ص ۱۷۴ تا ۱۷۸

3. Mackenzine, J.S, Outlines of social philosophy, George Allen & unwin ltd. London, 1952, P-179-180

4. The World book encyclopedia, Vol. 6, P.2758-2759

5. The rights of man and natural law, P65

6. Ibid, P66

۷۔ لی بان، فلسفہ عروج وزوال اقوام، (ترجمہ عبدالسلام ندوی) تخلیقات لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۱۵۴

۸۔ اسلامی تہذیب واقدار، ص ۱۲۷

۹۔ اسلام اور جدید مادی افکار، ص ۱۵۷

۱۰۔ عبدالقادر عودۃ، التشریع الجنائی الاسلامی، دارالکتب العربی بیروت، س ن ص ۳۵

۱۱۔ القرآن الحکیم، (یٰسین) ۳۶: ۸۳

۱۲۔ اسلام کا نظام تربیت، ص ۲۰

۱۳۔ بشیر احمد ڈار، قرآن کا نظریہ اخلاق، (ترجمہ: عبدالقیوم ہزاروی) اسلامک بک سروس لاہور، ۱۹۸۹ء ص ۴۷

۱۴۔ محمد بخش مسلم، کتاب الاخلاق، مکتبہ میری لائبریری لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۳۸۸

۱۵۔ القرآن الحکیم، (آل عمران) ۳: ۱۸۵

۱۶۔ الحاد مغرب اور ہم، ص ۸۱

۱۷۔ القرآن الحکیم، (یونس) ۱۰: ۴

پاکستان کی نظریاتی بنیادیں
(روشن خیالی یا اسلام)

ڈاکٹر اشتیاق احمد گوندل *

نصف صدی سے زائد عرصہ گزر جانے کے باجود پاکستان کی نظریاتی بنیادوں اور تشخص کے بارے میں جو مباحثہ و مناظرہ جاری ہے اس کے اسباب اور محرکات کا جائزہ لیے بغیر پاکستانی قوم کی فکری کشمکش کا ادراک بے حد مشکل ہے۔ یہ امر قابلِ تعجب ہی نہیں قابلِ افسوس بھی ہے کہ اپنی پہلی منزل (قیام پاکستان) پر پہنچنے کے بعد سے اب تک تعمیر پاکستان کی اگلی منزلوں کو طے کرنے کی بجائے یہ جھگڑا پورے زور و شور سے جاری ہے کہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنانا تحریکِ پاکستان کا مقصد تھا یا ایک لبرل جمہوری ریاست ہماری ہدف تھی۔ لہذا بقول منیر نیازی:

منیر اس ملک پہ آسیب کا سایہ ہے یا کیا ہے
کہ حرکت تیز تر ہے مگر سفر آہستہ آہستہ

اس تناظر میں تحریک پاکستان کا بے لاگ تجزیہ کیے بغیر اصل صورتحال کا سمجھنا ناممکن ہے اور یہ تجزیہ تحریک پاکستان کے سلسلے میں متضاد، متنازعہ اور فکری مغالطوں سے بھری ہوئی تاریخ کی بناء پر پروان چڑھانا کوئی آسان کام نہیں۔ ایک کثیر طبقہ اسلام کا شعور اور حقیقی فہم نہ رکھنے کے باوجود ۵۷ سالوں سے پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ کا ورد کر رہا ہے، نعرے لگا رہا ہے ہر برس چودہ اگست کو نئے سرے سے اسلامی ریاست کے قیام کا عہد بھی کرتا ہے اور مطالبہ بھی۔ جبکہ دوسرا طبقہ اس ساری نعرے بازی کو محض جذباتی پن قرار دیکر ناممکن الحصول قرار دیتا ہے ان کی منزل پاکستان میں ایک روشن خیال معاشرے کی تشکیل اور لبرل جمہوریت (Liberal Democracy) کا قیام ہے۔ پہلا طبقہ اپنے موقف کے حق میں دلائل دیتا ہے جبکہ دوسرا طبقہ بانی پاکستان قائداعظم کے اقوال اور علامہ اقبال کے کلام کا ایسا انتخاب پیش کرتا ہے کہ پاکستان کے مستقبل کا تعین کرنا تو مشکل ہے ہی موجودہ پاکستان کی فکری و تہذیبی سمت اور کلچر کی شناخت بھی مشکل ہو جاتی ہے۔

---

* لیکچرار، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

بانی پاکستان اور تحریکِ پاکستان کو الگ الگ کر کے زیر بحث لانا ایک نامناسب رویہ ہوگا کیونکہ محمد علی جناحؒ کی شخصیت کے آخری سات سال تو تحریکِ پاکستان کے علاوہ کسی بھی اور رنگ اور علامت کی ترجمانی نہیں کرتے نیز تحریکِ پاکستان پر آپ کا شخصی اثر بہت قوی تھا تاہم یہ ٹھوس حقیقت ہے کہ تحریکِ پاکستان کے علاوہ جناحؒ کی زندگی میں مذہبی رنگ اگر تھا بھی تو نمایاں نہ تھا اس لیے پاکستان کے سیکولر طبقات اور لبرل طبقات کے لیے جناحؒ کی شخصی زندگی اور چال چلن ایک طاقتور دلیل کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپؒ نے مغربی تعلیم حاصل کی، طرزِ زندگی مغربی معاشرے کے قریب تھا اور مغربی جمہوریت کے ہمنوا بھی رہے۔ اس طرح اپنی سیاسی زندگی کے آغاز میں کانگرس میں شامل ہونا اور ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کے طور پر جدوجہد کرنا پاکستان میں لبرل فکر کے ہمنواؤں کے لیے ایسی بنیادیں فراہم کرتا ہے جس سے بانی پاکستان کو مغربی تہذیب کی مخصوص اصطلاحات کے مطابق سیکولر، لبرل اور روشن خیال ثابت کرنا آسان ہو جاتا ہے مگر دوسری طرف ۱۹۳۰ء کے علامہ اقبال کے خطبہ الٰہ آباد کے بعد جس جناح نے مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی وہ ایک سیکولر یا لبرل قائد نہیں تھا۔ بلکہ وہ اپنی شخصی زندگی میں ایک عالمِ دین مذہبی سکالر نہ ہونے کے باوجود اپنی قوم کا مزاج شناس بنا۔ رشید الدین خان قائداعظم کا موازنہ برصغیر کے معروف عالم اور راہنما مولانا ابوالکلام آزاد سے کرتے ہیں۔

مولانا آزاد کا سفر سیاسی محدود سے وسعت کی طرف ہوا۔ فرقہ سے قوم کی طرف، مذہبی سیاست سے سیکولر سیاست کی طرف اور بالکل اس کے برعکس قائداعظم محمد علی جناح کا سفر جو وسعت سے محدود کی طرف، قوم سے فرقہ کی طرف، سیکولر سیاست سے مذہبی سیاست کی طرف ہے۔[1]

تحریکِ پاکستان کے کارکن معروف صحافی زیڈ اے سلہری لکھتے ہیں۔

"Insistance on the Muslim way of life automatically brought out the Islamic character of the future state. The word Muslim was synonimous with Islam. Where the Muslim league differed from its opponents was that while

a Muslim state or a state sustained by Muslims could be easily converted into an Islamic state, a non- Muslim (a Hindu majority state like the British and Congress were planning for the subcontinent) could never be turned into an Islamic state. Apparently the difference between the two was political----which way the Muslims should take? ----but its essence and effect was Muslim freedom struggle, the Quaid was par excellence an Islamist. He had visualised Pakistan as the key to Islamic country".(2)

جناب سلہری کے انتقال کو ابھی چند برس ہوئے ہیں پاکستان کے صحافتی حلقوں میں آپ کا نمایاں مقام ہے اس لیے موصوف کی مذکورہ بالا شہادت اور تجزیہ محض ایک علمی کاوش اور تحقیق نہیں ہے بلکہ قیامِ پاکستان کے بعد سلہری صاحب کی زندگی کی ترجیحِ اول تحریکِ پاکستان کو لادینی تحریک اور جناح کو سیکولر ثابت کرنے والوں کے خلاف جہاد رہی ہے۔ایسا ہی معتبر نام مرحوم پروفیسر منور مرزا کا ہے تحریکِ پاکستان کی اسلامی شناخت ختم کرنے کے لیے ایک مدلل یہ دی جاتی ہے کہ پاک و ہند کے مسلمان ہندو اکثریت کے ہاتھوں معاشی استحصال کا شکار تھے اس لیے معاشی مجبوریوں سے پاکستان بنانے پر مجبور ہوئے۔ پروفیسر منور لکھتے ہیں:

''پورے ہندوستان میں مسلمانوں نے ہندو اور انگریز کے خلاف کبھی ایجی ٹیشن اس سبب سے نہ کی کہ ان کی زمینیں چھین لی گئیں یا انہیں نوکریاں نہیں دی گئیں لیکن جب کانپور کی مسجد یا لاہور کی شہید گنج یا سکھر کی مسجد کا مسئلہ ہوا تو مسلمان جانیں قربان کر دیتے اس کا واضح مطلب ہے کہ مسلمان کے نزدیک اس کا ایمان اور اس کے عقائد پر استوار تمدن، باقی ہر شے پر فوقیت رکھتا ہے چنانچہ یہ کہنا کہ پاکستان فقط معاشی مجبوریوں کی بناء پر وجود میں آیا تھا، غلط ہے۔[3]

ڈاکٹر صفدر محمود لکھتے ہیں۔

During Pakistan movement the Muslim League had given committment to the people that Pakistan will be an Islamic democratic state based on social justice of Islam, the Muslims will be able to lead a life under the Divine law and the non-Muslims will also enjoy an equal status.(4)

اگرچہ قائداعظم کے ارشادات اور اقوال کی صحت کا معیار بعض افراد کے نزدیک بہت بہتر نہیں ہے تاہم کسی بھی راہنما یا مصلح کی شخصیت اور فکری پرواز کی ترجمانی اُس کے اقوال سے ہی ہوتی ہے۔ قائداعظم کے اقوال متعدد کتب اور دستاویزات کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں اور تحریک پاکستان کی شناخت میں کلیدی اہمیت کے حامل ہیں۔

"From the different statements of Quaid-i-Azam, it becomes crystal clear that the land of Pakistan was going to be the laboratory of experiment of total islamization of laws, an Islamic country in true sense. He was a man of principles, a law abiding citizen, a man who loved constitutionalism. Had he been spared a few more years to live and serve Pakistan, that democratic values loving man would have steared nation safe to the goal of a definite shape of a constitution, with insertions of definite objectives of shaping an Islamic order in Pakistan.(5)

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ جناحؒ نے اپنی سیاسی زندگی کے نشیب و فراز سے بالآخر جان لیا کہ یہ ملت اسلام کے بغیر نہ تو منظم اور متحرک ہو سکتی ہے اور نہ ہی برصغیر میں اپنے انفرادی و

اجتماعی مستقبل کا تحفظ کر سکتی ہے لہذا ۱۹۴۰ء کے بعد کی مسلم لیگ اور اُس کی قیادت کا رُخ بہت واضح تھا۔

''اس جدوجہد کے آخری زمانے میں جبکہ مسلم لیگ کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اپنی حیثیت کو بالکل واضح اور مبرہن کر دے کہ وہ اسلامیان ھند کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور پوری مسلمان قوم یکسوئی کے ساتھ اس کے جھنڈے تلے جمع ہے تو اس کے لیے اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ تھا کہ وہ مسلمانانِ ہند کے دینی جذبات کو اپیل کرتی اور اسلام سے ان کی محبت اور دلی تعلق کو کام میں لاتی چنانچہ یہی وہ زمانہ ہے جس میں پورا ہندوستان ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ'' کے نعروں سے گونج اٹھا اور اسلامی حکومت، اسلام کے اصول مساوات واخوت، اسلام کا نظام عدل اجتماعی، اسلامی تہذیب وتمدن و دستور کی اصطلاحات کا استعمال مسلم لیگ کے رہنماؤں کی تقریروں میں عام ہو گیا گویا اس دور میں تحریک مسلم لیگ مسلمانوں کے صرف قومی مفادات کی محافظ ہی نہیں بلکہ دین کے ساتھ ان کی محبت اور اسلام کے ساتھ ان کے قلبی تعلق کا مظہر بھی بن گئی چنانچہ پوری قوم مجتمع ہو کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئی اور خود مذہبی طبقات میں سے بھی کچھ لوگ اس کی امداد کے لیے میدان میں نکل آئے۔۶''

معروف مذہبی سکالر ڈاکٹر اسرار احمد نے مذکورہ بالا پیراگراف میں واضح کیا ہے کہ مسلم لیگ نے شعوری طور پر اسلام اور اسلامی اصطلاحات کو تحریک پاکستان میں نمایاں جگہ اس لیے دی کہ ''خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی'' کے مصداق مذہب مسلمانوں کی بداعمالی کے باوجود ان کے خمیر کا حصہ تھا۔ آگے چل کر مسلم لیگ پر اسی مذہب رنگ کے غالب آنے کے باعث علماء میں سے بعض نامور علماء نے اپنے ہی ہمسفروں سے راستے الگ کر کے یعنی کانگرس چھوڑ کر مسلم لیگ کی حمایت کی۔ اس سلسلے میں مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کے ساتھیوں مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع اور مولانا ظفر احمد عثمانی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں جنہوں نے نہ صرف قیامِ پاکستان بلکہ اس کے بعد بھی پاکستان کے اسلامی تشخص کے لیے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔

''قوم پرست علماء کی تحریک کے سارے دور میں ممتاز علماء کی صف میں مولانا اشرف علی

تھانویؒ ایسے نمائندہ بزرگ تھے جنہوں نے ہندوؤں اور کانگرس کے ساتھ اس مشترکہ جدوجہد میں شرکت سے انکار کردیا اور اسے مسلمانوں کے حق میں بہتر نہیں سمجھا۔انہوں نے عملاً سیاست اور اجتماعی جدوجہد میں شرکت نہیں کی لیکن دینی اور روحانی راہنمائی کے ساتھ ساتھ سیاسی اُمور پر قوم کو مشورہ دیتے رہے۔ان علماء میں آپ نمایاں امتیاز رکھتے تھے جنہوں نے دوقومی نظریہ کی حمایت پر زور دیا تقسیم ہند کا مطالبہ کیا اور پاکستان کی بھرپور تائید کی، یہی وجہ تھی کہ آپ کے زیرِ اثر علماء کی ایک بڑی تعداد نے تحریک پاکستان میں شمولیت اختیار کی خود علماء دیوبند میں سے مولانا شبیر احمد عثمانی ،مفتی محمد شفیعؒ ،مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جیسے علماء کی کوششوں سے تحریک پاکستان کو موثر تائید حاصل ہوئی۔ کے

موجودہ پاکستان کے اسلام پسند طبقات میں مولانا تھانویؒ کے عقیدت مندوں کی کثیر تعداد اپنا ایک خاص اثر رکھتی ہے جو کوئی بھی تھانوی صاحب اوران کے مکتب فکر سے آگاہ ہے۔اُس کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ جناحؒ اگر تحریکِ پاکستان کو ایک لبرل ریاست کے قوم کے لیے منظم کرتے تو اس مکتب فکر کی طرف سے تحریکِ پاکستان کی حمایت کا نہ تو کوئی امکان تھا اور نہ ہی جواز۔مگر آج کے پاکستان میں علمی بددیانتی کی انتہا یہ ہے کہ سب علماء کے لیے ایک ہی جملہ بولا اور لکھا جاتا ہے کہ علماء نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی۔دیانتداری کا تقاضا تو یہ ہے کہ جن علماء نے مخالفت کی ان کا موقف سامنے آئے ،اِس کا تجزیہ ہو اور کم از کم یہ کہ جنہوں نے حمایت کی ان کے عظیم کردار کا اعتراف کیا جائے مگر تاریخ پاکستان کا المیہ یہ ہے کہ لبرل ازم کے حمایتیوں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ہمیشہ قوم کو علماء سے بدظن کرنے کی سازش اور کوشش کی ہے لہذا تحریکِ پاکستان میں علماء کے کردار کی نفی اور علماء پر مبالغہ آمیز تنقید دراصل تحریکِ پاکستان کو اسلام کی بجائے لبرل ازم اور سیکرلرازم کی بنیادوں پر استوار کرنے کی منظم کوشش ہے۔یہ ٹھیک ہے کہ مسلم لیگ کے ابتدائی سالوں میں مغربی اندازفکر رکھنے والے افراد ہی کرتا دھرتا تھے مگر فیصلے کی گھڑی میں علماء نے جب جان لیا کہ پاکستان اسلام کے لیے ہے تو پھر انہوں نے اپنا وزن تحریکِ پاکستان کے پلڑے میں ڈالنے سے گریز نہیں کیا۔اس سلسلے میں ''جمعیت علمائے اسلام'' کا قیام پاکستان کی جدوجہد کی تاریخ کا ایک نمایاں واقعہ ہے اس کی جدوجہد سے پاکستان کے لیے فضا بڑی تیزی سے سازگار ہوئی اس کے قیام کے وقت

پاکستان بننے یا نہ بننے کے متعلق فیصلہ کن انتخابات بھی قریب آ رہے تھے۔ جمعیت علمائے ہند اپنی تمام توانائیاں کانگرس کے حق میں صرف کر رہی تھی۔ جمعیت علمائے اسلام کے اراکین نے کانگرسی علماء کا پورا پورا جواب دیا علماء نے جمعیت اور مسلم لیگ دونوں کے ذریعے پاکستان کی پرزور حمایت کی اور تحریک کو تقویت پہنچائی۔8

ڈاکٹر وحید قریشی پاکستان کی نظریاتی اساس واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''پاکستان کے بارے میں قائداعظمؒ نے خطبہ لاہور میں بڑے پتے کی بات کہی تھی ان کے نزدیک جداگانہ وطن کا مطالبہ محض ایک جغرافیائی تصور نہ تھا بلکہ اس احساس کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کو کوئی خطہ ایسا ملنا چاہیے جس میں وہ اپنے مذہب اور تہذیبی اقدار کو محفوظ رکھ سکیں۔ برطانوی تسلط کے زمانے میں سیاسی سطح پر اس ضرورت کا احساس ہوگیا تھا کہ جغرافیائی قومیت مسلمانوں کے وجود کے منافی ہے وہ اکثریت کے رحم وکرم پر رہ کر اپنی ہستی فنا نہیں کرنا چاہتے۔ انگریزی عہد میں مسلمانوں کے خلاف سیاسی محاذ زیادہ تیز تھا اس میں برطانیہ کی شاطرانہ پالیسی بھی اپنا کام کر رہی تھی ہندوؤں اور مسلمانوں کا تصادم برطانوی رویے نے زیادہ سخت کر دیا اس طرح وہ تاریخی عمل جس نے مسلمانوں کے تشخص کو اس سے پہلے زندگی کے دوسرے شعبوں میں اہم کر دیا تھا مثلاً فقہی، مذہبی، تاریخی، ثقافتی، ادبی اب سیاسی سطح پر بھی ابھرنے لگا اس جدوجہد کی بنیاد مذہب پر ہے پاکستان کا وجود مذہبی اور تہذیبی اقدار کے حوالے کے بغیر ناممکن ہے کیونکہ اگر مذہبی اقدار کا حوالہ باقی نہیں رہتا تو پاکستان کے بھارت سے الگ ہونے کا جواز ہی غائب ہو جاتا ہے اور ہماری آزادی کی تمام جدوجہد ہی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔9

قیام پاکستان کی عملی جدوجہد میں محمد علی جناحؒ کو اللہ نے عظیم کامیابی اور عظمت عطا کی مگر ایک دور وہ بھی تھا کہ جناحؒ ہندوستان کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر انگلستان جا بسے اور پاکستان کی خالق جماعت ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی تھی یہی وہ زمانہ ہے کہ جب حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے ۱۹۳۰ء کے خطبہ الٰہ آباد میں مسلمانانِ پاک و ہند کے مستقبل کے لیے ٹھوس لائحہ عمل یہ دیا کہ ''میری نگاہیں مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں میں اسلام کی بنیاد پر ایک الگ مملکت کے قیام کو دیکھ رہی ہیں''۔ علامہ

اقبال میں بھی فکری اعتبار سے تدریجی طور پر تغیر رونما ہوا کہ وہ وطنیت کے ترانے گاتے اور امت کے تصورات کے ترجمان بن گئے۔قومیت اور وطنیت سے برات کا اعلان کر کے جمال الدین افغانی کی طرح پان اسلام ازم کے علمبر دار ٹھہرے۔اس تناظر میں ڈاکٹر جمیل جالبی کا تبصرہ قابل غور ہے علامہ اقبال کے حوالے سے ڈاکٹر جالبی کا خیال ہے کہ

''اقبال اس امر پر متفکر ہوتے ہیں کہ مسلمان حکومت سے کیوں محروم ہیں جبکہ انگریز غیر مسلم ہونے کے باوجود حاکم کیسے بن گئے''۔

رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

''جواب شکوہ'' میں وہ سرسید کی طرح اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ انگریزوں کی ترقی کا سبب یہ ہے کہ وہ اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہیں اور مسلمانوں کے زوال کا سبب یہ ہے کہ وہ اسلامی اصولوں کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔

مسلم آئین ہو کافر تو ملیں حور وقصور

''خضر راہ'' میں ان کی یہی فکری کشمکش بہت تفصیل سے موجود ہے دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ وہ انقلابِ روس کو بہت دلچسپی سے دیکھ رہے ہیں۔

اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
شاخ آھو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے کہ آزادی کی ہے نیم پری

جمال الدین افغانی کے اثر سے پین اسلام ازم بھی ان کے گلدستہ فکر میں موجود ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

اور یہیں سے اقبال کے ہاں وطنیت کی مخالفت کا دھارا پھوٹتا ہے۔۱۰

چنانچہ اس تناظر میں خطبہ الٰہ آباد بے حد اہم موڑ ہے گو ۱۹۳۰ء میں علامہ کے اس خطبے کو خاص پذیرائی حاصل نہ ہوئی لیکن قیامِ پاکستان کے بعد مبصرین کی ایک بڑی تعداد نے اس خطبے کی قدر و منزلت کا اندازہ کیا اور قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں اس خطبے کو سنگِ میل قرار دیا۔

"In his presidential address at the 1930 annual session of the Muslim League, Iqbal asserted that the Muslims of India had every right to full and free development on the lines of their culture and traditions. To apply the western democracy to India without recognizing the fact of different communal groups would be a mistake and it could lead india to a civil war. He stressed that Islam alone could be the moral basis of a Muslim polity and sole measure fo Muslim brotherhood.(11)

قیامِ پاکستان کے بعد اسلامی ریاست کا قیام ہی وہ خواب تھا جس کے لیے پاک و ہند کے مسلمانوں نے عظیم جدوجہد کی یہ کہا جا سکتا ہے کہ عوام تو اسلام شعور اور فہم نہیں رکھتے مگر علماء کرام کی کثیر تعداد کا تحریکِ پاکستان میں کردار اس امر کا بین ثبوت ہے کہ اسلام کی اساس کے علاوہ قیامِ پاکستان کا کوئی جواز نہ تھا وگرنہ مغربی جمہوریت اور سیکولرازم کے قریب تر فارمولا تو کانگرس کے پاس تھا اور کانگرس متحدہ قومیت کی علمبردار تھی جی۔ ڈبلیو۔ چوہدری لکھتے ہیں۔

"From all the views expressed by the leading Ulema (religious teachers) as well as by Muslim intellegentsia and scholars, it is quite evident that the Muslims of Pakistan --- including former East Pakistan, now Bangladesh --- the Bangladesh constitution abolished

secularism, as originally introduced by its founder, Mujib, in 1973 and declared Islam the state religion of Bangladesh in 1988, sincerely believe that believe that politics and religion can not be separated in Islam in order to preserve Islamic values and ideals, it is essential that Pakistan should be an Islamic state. By and large, the consensus has been that Pakistanis would like to see their country Islamic. (12)

اگر چہ قائداعظمؒ اور تحریکِ پاکستان لازم وملزوم ہیں مگر پھر بھی یہ وضاحت ضروری ہے کہ مسلمانوں پر دینِ اسلام کے جو تقاضے لازم ہیں ان کے لیے وہ محمد علی جناحؒ یا علامہ اقبالؒ سے نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راہنمائی کے محتاج ہیں۔ اسی حقیقت کی وضاحت پروفیسر منور مرزا اس طرح کرتے ہیں۔

بہر حال ایک امر واضح ہے کہ اسلام اس بات پر مبنی ہرگز نہیں کہ قائداعظم یا علامہ اقبال سیکولر تھے یا پکے مسلمان، وہ الحمد اللہ پکے اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے مگر اسلام اس دو پر مبنی نہیں۔ اسلام قائداعظم کا نہیں، اسلام اقبال کا نہیں، اسلام مولانا مودودی کا نہیں، اسلام اولیاء کا نہیں، تابعین وتبع تابعین کا نہیں، حتیٰ کہ اسلام کسی صاحب رسولؐ کا بھی نہیں اسلام فقط اور فقط محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلام ہے۔ آفتاب آپؐ ہیں باقی آپ کے سارے نام لیوا کرنیں ہیں اصحابِ رضوان اللہ علیھم اجمعین سے لے کر قائداعظم اور علامہ اقبال تک سب کرنیں ہیں۔ آفتاب رسالت کی کرنیں۔ کوئی کم چمکدار، کوئی زیادہ چمکدار اور کوئی بہت زیادہ چمکدار۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ھمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست

چلئے اگر ہمارے ملک میں آباد ''نمک شناس'' گروہ ثابت بھی کردے کہ بالفرض محال

قائداعظم سیکولر تھے، دین اسلام کو پاکستان کے سرکاری دین کے طور پر لاگو نہیں کرنا چاہتے تھے اور اسی طرح علامہ اقبال بھی۔۔۔تو پھر کیا ہوگا۔ یہ پاکستان لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے آفاقی آوازے اور افلاک کی للکار پر بنا ہے۔اس کی بناء مضبوط ہے ،یہ اسلام کا قلعہ ہے ،خواہ یہ بات منافقوں ،مرتدوں، دہریوں اور مشرکوں کو کتنی ہی ناگوار گزرے۔

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔[۱۳]

پروفیسر منور اپنی ایک اور کتاب دیوارِ برہمن میں لکھتے ہیں۔

''یہ کام اللہ تعالیٰ نے قائداعظم سے لیا جن میں قیادت کی بہت سے خوبیاں جمع ہوگئیں تھیں جن میں مسلمانوں کے حق میں بات کرنے کی جرات تھی وہ بات خواہ انگریزوں سے کرنا پڑی خواہ ہندو قائدین سے جن کے الفاظ میں ''اگریت'' ''مگریت'' ''چنانچیت'' ''بشرطیت'' نہ تھی، جو چپڑاسی سے لے کر وائسرائے تک ایک صاف اور واضح زبان بولتے تھے انہوں نے کبھی یہ نہ کہا کہ فلاں موقع پر میں نے جو یہ کلمہ کہا تھا تو درحقیقت میرا مفہوم یہ تھا، وہ نہ تھا۔۔۔قائداعظم جو کہتے تھے وہی ان کا مفہوم بھی ہوتا تھا انہیں بعد میں کبھی کوئی تاویلی مفہوم اختراع نہیں کرنا پڑا۔[۱۴]

قائداعظم جیسے کھرے اور صاف گولیڈر سے کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنی قوم کو جس کے لیے بہتر مستقبل کے لیے انہوں نے اپنی صحت داؤ پر لگائی، مغالطے میں رکھتے۔اس لیے جناحؒ کی حد تک تو پاکستان کا مستقبل اسلام ہی کے ساتھ وابستہ تھا یہی وجہ ہے کہ پاکستانی معاشرے کا سوادِاعظم آج بھی اسلام پسند ہے جیسا کہ پروفیسر محمد عثمان تجزیہ کرتے ہیں۔

''پاکستان کی آبادی شدید مذہبی رجحان رکھتی ہے اس لیے اپنی سیاست میں اسلام کی معاشرتی ،معاشی اور اخلاقی قدروں کو رائج دیکھنے کی آرزومند ہے اور مذہب سے بے تعلق بیزار سیاست کی طرف اس کا میلان کم ہے اس رجحان کی نمائندگی مختلف طریق اور مختلف انداز سے ہو رہی ہے۔[۱۵]

ظاہر ہے قائداعظم کی زندگی میں مغربی رنگ غالب تھا مگر بعض ایسے ٹھوس شواہد موجود ہیں جن کی بناء پر آپؒ ابتدائی زمانے سے ہی اسلام کے ساتھ گہری جذباتی وابستگی رکھتے تھے جس کا مظہر

درج ذیل واقعہ بھی ہے۔

To set the record straight, Islam did not come to him late in his life: his sense of Muslimness surfaced when he was hardly sixteen. Fatimas his sister is a privy tohis religious essence. He opted for Lincon's Inn because as he told her, he saw the Prophet's name engraved on its entrance as among the greatest law givers. This visual experience that he underwent must have given him the intellectual grasp of Islam as the shariah (law)---relevant to life beyoun rituals and dogmas.(16)

علامہ اقبال کی ملی خدمات کا عظیم ترین پہلو پاک وھند کے مسلمانوں کی قیادت کے لیے محمد علی جناحؒ کا انتخاب ہے اور اقبال نے اگر جناحؒ کا انتخاب کیا تو اس کی وجہ قائداعظم کا سیکولر ہونا نہیں مسلمان ہونا تھا۔

"This was known to Iqbal who could eulogize Jinnah for his Islamic essence as someone who is the only Muslim in India today to whom the community has the right to look up for safe guidance and share, with him his belief that the enforcement and development of the shariat of Islam is impossible in this country without a free Muslim state or states.(17)

اس اعتبار سے تاریخ نے ثابت کیا کہ مسلمانوں کی راہنمائی کے لیے علامہ اقبال کا جناحؒ کو ترغیب دینا بے حد موزوں تھا چنانچہ وہی محمد علی جناحؒ جو کسی زمانے میں ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کہلاتے

تھے اب اپنی جرات مندانہ اور نڈر آواز میں ۱۹۳۹ء کی قانون ساز اسمبلی میں ہندو قیادت پر یوں گرج رہے تھے۔

"You may be the largest number; you may be more advanced; and you may be stronger economically ---- but let me tell you (he was sounding Hindus)---- you will never be able to destroy that culture which we have inherited, the Islamic culture and that spirit will live, is going to live and has lived. You may over power us, you may oppress us; and you can do your worst. But we have come to the conclusion and we have not made a grim resolve that we shall go down, if we have to go down, fighting."(18)

سچی بات تو یہ ہے کہ محمد علی جناحؒ کے موقف میں قوت نہ تو مغربی تعلیم کے باعث تھی اور نہ ہی مغربی جمہوریت کے تصورات کے باعث بلکہ یہ عظیم قانون دان اگر پاکستان کا بانی قرار پایا تو اسلام اور فقط اسلام نے ہی اس کے موقف کو استحکام اور کامیابی عطا کی وگرنہ بالعموم پوری دنیا اور بالخصوص انگلستان میں رائج جمہوری نظام بھی تحریکِ پاکستان کی کامیابی کی راہ ہموار نہ کرسکتا۔

پروفیسر منور مرزا لکھتے ہیں۔

''سیدھی سی بات تھی اگر مجرد جمہوریت نافذ ہوتی جو انگلستان میں کارفرما تھی تو نتیجہ کیا ہوتا؟ انگلستان میں جمہوریت، سیاسی پارٹیوں کے منشور اور پروگرام کو عمل میں لانے کا نام ہے آج ایک سیاسی پارٹی جیت گئی تو کل دوسری، مگر قائداعظم نے انگریزوں، ہندوؤں اور ساتھ ہی مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ برصغیر میں سیاسی پارٹیاں ان معنوں میں ہیں ہی نہیں جن معنوں میں انگلستان میں ہیں۔ یہاں اکثریت مذہبی اکثریت ہے اور دائمی، یہاں اقلیت مذہبی اقلیت ہے اور دائمی، دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ تصورِ جمہوریت کے زیرِ پردہ ہندو ہمیشہ حاکم رہیں اور مسلمان ہمیشہ

محکوم۔ یہ پریشان کن صورتحال تھی جس کا مداوا مطالبہِ پاکستان تھا۔ ۱۹

فکری کشمکش

آج کے پاکستان میں عظیم الشان تاریخی شواہد کے باوجود بہر حال روشن خیال اور لبرل طبقوں کو پھر بھی اتنی جرات اور اعتماد حاصل ہے کہ وہ تحریک پاکستان کو لادینی جدوجہد اور قائداعظم کو ایک لبرل اور آزاد خیال لیڈر ثابت کرنے پر تلے رہتے ہیں ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں۔

چنانچہ ایک طرف اپنا حال یہ ہے کہ تحریکِ پاکستان کے اغراض ومقاصد ہی بحث ونزاع کا موضوع اور اختلاف وانتشار کا عنوان بنے ہوئے ہیں اور اس ضمن میں بڑوں کے انتشار ذہنی کا نتیجہ یہ ہے کہ نئی نسل حیران و پریشان ہے کہ پاکستان کیوں معرض وجود میں آیا تھا اور آیا اس قافلہ ملی کی کوئی منزلِ مقصود تھی بھی یا نہیں جس نے پاکستان حاصل کیا بلکہ یہاں تک کہ آیا تقسیمِ ہند کا کوئی جواز تھا بھی کہ نہیں نتیجتاً ملی وقومی سطح پر ہم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ چنانچہ زعما، وقائدین اور اصحابِ فکر ودانش تک کی سعی وجدوجہد اور تگ وتاز کا حال اس مصرعہ کا مصداق ہے کہ عمر آہ تیز نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف! تو بے چارے عوام کا کیا قصور اگر وہ اس شعر کے مصداق کامل بن گئے ہوں کہ۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک تیز رو کے ساتھ\
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں ۲۰

اس فکری انتشار نے ہمارا ماضی تو خراب کیا ہی ہے بدقسمتی سے مستقبل کے امکانات بھی مخدوش ہیں کیونکہ نوجوان نسل کی کوئی فکری سمت نہیں ہے جو مستقبل کی ضمانت ہوتے ہیں کج فہم اہلِ دانش نے تحریکِ پاکستان کی من مانی تشریح سے نئی نسلوں کا حافظہ اور فہم کمزور کیا ہے آزاد کوثری کا دعویٰ ہے کہ یہ بات شروع ہی سے واضح ہے کہ پاکستان کے قیام کی وجوہات مذہب کے علاوہ سیاسی اور اقتصادی بھی تھیں لیکن بدقسمتی سے کچھ عناصر بدستور مصر ہیں کہ قیامِ پاکستان کی وجوہات محض مذہبی تھیں۔ ۲۱

اس طرح کے دعوؤں کی حقیقت جاننے کے لیے ضروری ہے کہ ہم آزاد کوثری جیسے اہلِ فکر

ودانش کی اپنی فکر کی بنیاد کا تجزیہ کریں کہ آیا وہ اسلام کو دین سمجھتے ہیں یا مذہب، دین اور مذہب میں فرق کیا ہوتا ہے یا تو موصوف دین کے وسیع تر تصور سے ناواقف ہیں یا اپنے مقاصد کے حصول کے لیے دین کو رکاوٹ سمجھتے ہیں وگرنہ سیاسی و اقتصادی وجوہات اگر قیامِ پاکستان کا محرک تھیں تو ایک مسلمان ان کا حل دین اسلام کے علاوہ اور کہاں سے حاصل کرے گا پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانانِ ہند اگر سیاسی و مذہبی طور پر استحصال کا شکار تھے تو اس کی اصل وجہ بھی اسلام کی بنیاد پر آزاد مملکت کا نہ ہونا تھا لہذا یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ برصغیر کے مسلمان اپنے سیاسی معاشی اور معاشرتی مسائل کے لیے اسلام کو ہی مکمل ضابطہ حیات خیال کرتے تھے اس لحاظ سے تحریکِ پاکستان کا محرک اول وآخر اسلام ہی قرار پاتا ہے۔

پاکستان کے لادین عناصر کا فکری میلان یہ ہے کہ جہاں وہ دیگر معاملات میں مغرب کے پیمانوں کو معیار بناتے ہیں وہاں اسلام کو بھی اُن کے معیارات اور اصطلاحات کی روشنی میں پرکھتے ہیں جس سے تاریخی طور پر ثابت شدہ حقائق بھی فکری انتشار کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں مثلاً سید مسعود زیدی اپنی کتاب پاکستان کا مقدمہ میں قائداعظم کے خیالات کی تشریح درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں۔

''قائداعظم ایک ایسی ماڈرن ریاست کے خواہاں تھے جہاں سے روشن خیال ماہرینِ تعلیم ،انجینیر ،ڈاکٹر، سیاستدان، ماہرینِ اقتصادیات، سائنس دان، مفکر نکلیں اور احیاء اسلام کا باعث بنیں۔۲۲

مغرب میں روشن خیالی کی تاریخ کا جائزہ ہم لے چکے ہیں جہاں روشن خیالوں نے پہلے تو مذہب کو نجی معاملہ قرار دیا اور اجتماعی اداروں سے نکال باہر کیا بعد ازاں فرائیڈ وغیرہ نے تو اسے بدتر جرم کی پیداوار قرار دیا نیز خدا کے وجود کا ہی انکار کر دیا۔ ہمارے ہاں کے دانش ور روشن خیالی اور آزاد خیالی وغیرہ کی اصطلاحات کو بڑے خوبصورت اور پُرکشش انداز میں پیش کرتے ہیں مگر ساتھ اسلام کا لیبل چسپاں رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ پاکستانی روشن خیال بھی پاکستانی معاشرے کے مزاج اور ضمیر کو نظر انداز نہیں کر سکتے وگرنہ روشن خیالی اور احیائے اسلام! اس سادگی پر کون نہ مر جائے اے خدا بلکہ تری

سادگی بھی ایک فریب ہے۔مصنف آگے رقم طراز ہیں۔

اللہ رب العالمین اور اس کے پیارے رسولؐ رحمۃ للعالمین کا عقیدہ رکھنے والا مسلمان تو فطری طور پر سیکولر ہے کیا دوسری قوم کے بت کی آنکھ پھوڑنے کی سزا مسلمان کو سزا دینے کا فیصلہ اور ہمارے نبی کریمؐ کی نصرانیوں کو مسجدِ نبویؐ میں اپنے طریقے سے نماز ادا کرنے کی اجازت دینے سے بہتر مثال سیکولر ذہنیت کی تاریخ عالم پیش کرسکتی ہے۔۲۳

دیدہ دلیری کا عالم یہ ہے کہ خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں کہ مصداق پاکستان کو سیکولر اور لبرل بنانے کے چکر میں اسلام کو اور رسولِ رحمت کو ہی سیکولر بنانے پر تل جاتے ہیں۔ایسی ہی کئی دوراز کار تاویلات کے ذریعے روشن خیال پاکستانی معاشرے میں آزادخیالی (Liberalism) کو فروغ دینے کے لیے کوشاں ہیں۔قائداعظم کا ایک بیان جو لبرل افراد کے لیے کلیدی اہمیت کا حامل ہے اور جس سے وہ تحریکِ پاکستان کا اپنے تئیں حقیقی رخ متعین کرتے ہیں وہ دستور ساز اسمبلی کے اجلاس منعقدہ ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کراچی سے قائداعظم کا خطاب ہے جس میں آپ نے فرمایا۔

"You are free to go to your temples, you are free to go to your mosques or to anyother places of worship in this state of Pakistan. You may belong to any religion or caste or creed that has nothing to do with the business of the state.(24)

کسی بھی فرد کے خیالات کو جاننے کے لیے اس کے اقوال اور بیانات کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا چنانچہ محمد علی جناحؒ کا درج بالا بیان اگر اُن کی زندگی کے دیگر خیالات، اقوال اور بیانات سے کاٹ کر دیکھا جائے تو اس میں سیکولرازم کی گنجائش نکل سکتی ہے مگر امر واقع یہ ہے کہ ایک طرف سینکڑوں بیانات اور شہادتیں تحریک پاکستان کا جذبہ محرکہ اسلام کو قرار دیتی ہیں اور اس سلسلے میں ہزاروں لاکھوں عینی شاہد بھی ہیں تو دوسری طرف محض ایک بیان کو کھینچ تان کر اپنی مرضی کا مفہوم دینا علمی و تحقیقی بددیانتی ہے یا پھر خدانخواستہ محمد علی جناحؒ کے بارے میں روشن خیالی کا تقاضا یہ بھی ہو کہ

قیام پاکستان سے قبل ۱۹۴۰ء تا ۱۹۴۷ء آخری دم تک قائداعظم اسلام کا نام محض دکھاوے کے لیے اور قوم کو دھوکہ دینے کے لیے استعمال کرتے رہے اور قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے اصل خیالات کو طشت از بام کیا مگر قائداعظم کا کٹر ترین مخالف بھی ایسی اخلاقی اور قومی بددیانتی کا تصور نہ کرے گا۔ اس سلسلے میں سابق چیف جسٹس آف پاکستان نسیم حسن شاہ کا تبصرہ صورتحال کی وضاحت کے لیے کافی ہے۔

"Undoubtedly this first speech in the Constitutional Assembly was an important declaration containing guidelines for the constitution makers. But this speech simpliciter is a far cry from establishing that the Quaid was a secularist. A careful consideration of the speech and the context in which it was made shows that it was bringing in sharp relief and to draw attention to the ideal of Islam namely that all citizens in an Islamic state must be treated as equal, that herein no discrimination is allowed amongst the citizens. Furthermore this speech was not a repudiction of what Quaid had been declaring all through the struggle for Pakistan but was merely a reminder to an important Islamic principle that Pakistan would be adhering to namely, that herin all citizens would have equal rights and would enjoy equal protection. It should be remembered that the opponents of the Pakistan movement were virulently denouncing Pakistan

as a purely fanatical and communical state in which minorities would be treated unfairly as opposed to the liberal treatment which all citizens living in India would be enjoying in the secular state visualized by the Congress wherein equal rights will be given to all people in India. The Quaid had therefore also to reassure all non-Muslim inhabitants of Pakistan, whose number when Pakistan was created numbered around 25 perrcent, that they would be treated justly, fairly, without discrimination, as equal citizens of the state. Therefore to make a proper assessment of the significance of the speech of August 11, 1947 this background has to be kept in mind." (25)

قائداعظم اور تحریکِ پاکستان پر اس بحث کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ فرض کریں جناح اور مسلم لیگ دونوں لبرل فکر کے علمبردار تھے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے بیانات، تقاریر اور دعوؤں کی حد تک ہی سہی اسلام ہی کو اوڑھنا اور بچھونا کیوں ظاہر کیا چنانچہ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ قائداعظم کی تصویر کو لبرل تشخص دینے والے قائداعظم پر لبرل ازم کے ساتھ ساتھ قوم کو اندھیرے میں رکھنے کا الزام بھی چسپاں کر دیں جبکہ حقیقی صورتحال یہ ہے کہ مسلم لیگ اپنے قیام سے قیام پاکستان تک اور اس کی قیادت کئی نشیب و فراز سے گزری ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے کئی طرح کے فارمولے زیرِ بحث آئے۔

یہ تدریجی عمل ہے مگر جو نسخہ کارگر ثابت ہوا وہ پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الہ الا اللہ تھا تاریخ شاہد ہے کہ اگر مسلم لیگ اور قائداعظم دونوں ایک لبرل ریاست کے قیام کا خواب دکھاتے تو نہ تو راسخ العقیدہ علماء (مولانا تھانوی وغیرہ) مسلم لیگ کی حمایت کرتے اور نہ ہی یہ قوم کسی ایسی بنیاد پر متحرک

اور منظم ہو کر آزادی کی منزل سے ہمکنار ہوتی۔

مسلم لیگ کا کردار

بدقسمتی سے قیام پاکستان کے بعد جس فکری انتشار نے جنم لیا اُس کی ذمہ داری محض لادین عناصر پر ہی عائد نہیں ہوتی بلکہ اسلام پسند بھی کسی حد تک ذمہ دار ہیں لیکن سب سے بڑھ کر پاکستان کا خالق ہونے کی دعویدار جماعت مسلم لیگ جو وقتی جذبے کے تحت ایک عظیم ہدف کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی مگر تعمیر پاکستان اور اسلامی ریاست کی تشکیل کا کوئی ٹھوس منصوبہ نہ بنا سکی بلکہ ۵۳ سال بعد۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی

بقول ڈاکٹر اسرار احمد

''اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اگر چہ ایک قومی جماعت ہونے کی بنا پر مسلم لیگ کی صفوں میں ہر نقطہ نظر اور مکتبہ فکر کے لوگ پائے جاتے تھے حتیٰ کہ خالص ملحد اور دہریے بھی موجود تھے۔''[۲۶]

مسلم لیگ کے اس اعزاز کے باوجود قیامِ پاکستان کے فوراً بعد کی صورتحال پر مولانا ابوالکلام آزاد کا درج ذیل تجزیہ قابل غور ہے۔

''میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں کہ کس طرح کانگرس کی مخالفت کے لیے شروع میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی اس لیے لیگ میں مشکل ہی سے کوئی ایسا رکن رہا ہوگا جس نے ملک کی آزادی کے لیے جنگ لڑی ہو نہ تو انہوں نے کوئی ایثار کیا تھا نہ ہی وہ کسی جدوجہد کی ڈسپلن سے گزرے تھے ان میں یا تو ریٹائرڈ حکام تھے یا ایسے افراد جو انگریزوں کی سرپرستی کے تحت عوامی زندگی میں لائے گئے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ جب نئی ریاست کی تشکیل ہوئی تو اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا جو خدمت یا قربانی کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھتے تھے نئی ریاست کے بہت سے حکمران خودغرض لوگ تھے جو صرف ذاتی مفاد کی خاطر عوامی زندگی میں آئے تھے۔

نئی ریاست کے لیڈروں کی اکثریت یوپی، بہار اور بمبئی سے تعلق رکھتی تھی بہت سوں کے

ساتھ معاملہ یہ تھا کہ وہ ان علاقوں کی زبان بول تک نہیں سکتے تھے جن پر اب پاکستان مشتمل تھا۔''۲۷

گو مولانا آزاد نے پاکستان کی حمایت نہیں کی بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر مخالفت کی مگر قیامِ پاکستان کے بعد اُن کی مخالفت کی شدت میں کمی آ گئی تاہم اُن کا ذاتی موقف کچھ بھی ہو۔ پاکستانی قیادت پر ان کا تبصرہ اس شعر کے مصداق ہے۔

نیرنگئی سیاستِ دوراں تو دیکھئے　　منزل اُنہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

معروف دانشور ڈاکٹر جمیل جالبی کا خیال ہے کہ پاکستان کی تحریک بھی ملی احساس کا نتیجہ تھی یعنی ''جغرافیہ'' کے اندر رہتے ہوئے بھی غیر جغرافیائی، جس میں احساسِ ملی کے ذریعے پھیلنے اور بڑھنے کا زبردست حوصلہ موجود تھا پاکستان کا آدرش اور اس کا موجودہ جغرافیہ دراصل ذریعہ تھا ملی آدرش کو حاصل کرنے کا۔ ہماری تنگ نظری دیکھئے کہ جب یہ حاصل ہو گیا تو ہم نے ذریعے کو منزل بنا قناعت کر لی اور یہی وہ تضاد ہے جس نے معاشرتی، اخلاقی اور تہذیبی بساط الٹ دی ہے۔ ۲۸

اصل راستے سے انحراف اور کج روی پر مبنی اس صورتحال نے جس کشمکش کو جنم دیا ہے وہ بداعتمادی، مایوسی اور خدشات کے عنوانات سے عبارت ہے قومی و ملی وسائل کا ضیاع اور ارضِ پاک میں بے مقصد نوجوان نسل کا تباہی کے دھانے پر کھڑا ہونا اسی وجہ سے کہ آج ہمیں اپنی شناخت کا مسئلہ درپیش ہے۔ بقول شاعر

رکوں تو منزلیں ہی منزلیں ہیں
چلوں تو راستہ کوئی نہیں ہے
میں ایسے جمگھٹے میں کھو گیا ہوں
جہاں میرے سوا کوئی نہیں ہے
کسی سے آشنا ایسا ہوا ہوں
مجھے پہچانتا کوئی نہیں ہے

چنانچہ ضروری ہے کہ ہم اگر موجودہ پاکستان کے مسائل کی حقیقی نشاندہی چاہتے ہیں تو پھر سچائیوں کا اعتراف کریں چاہے وہ شیریں ہوں یا تلخ۔ نوائے وقت کے مضمون نگار پروفیسر عثمان کا

تجزیہ قابل غور ہے۔

''پاکستان کی سیاست کے بارے میں سب سے پہلی سیاسی سچائی جاننے کے قابل یہ ہے کہ پاکستان کوایک سیاسی جماعت نے سیاسی طریقے سے جمہوری اصولوں کے مطابق جدوجہد کر کے مسلمان عوام کو اپنی جماعت کے جھنڈے تلے جمع کر کے ان کے ووٹ اور رائے کے زور پر بنایا تھا پاکستان سیاست کے بارے میں دوسری بڑی سچائی (جو تلخ بھی ہے) یہ ہے کہ اس ملک کو بنانے والی جماعت ہی نے اپنی کرتوتوں سے تھوڑے ہی عرصے میں اس کے زوال کا آغاز کر دیا اور ملک میں سیاسی تنظیم کی کوئی اعلیٰ روایت قائم نہ ہوسکی حکمران جماعت مسلم لیگ کے رہنما اور بعض کارکن نئے اور یکدم پیدا ہونے والے وسائل کی فراوانی سے بوکھلا گئے اور ان کے قدم ڈگمگانے لگے اور وہ اقتدار کا مزہ لوٹنے اور دولت سمیٹنے کے پیچھے لگ گئے اور وہ سیاست جس کو اپنی زندگی اور توانائی کے لیے اُصولوں اور ضابطے کی ضرورت تھی ہوس اقتدار کی بھینٹ چڑھ گئی۔ ملک میں مسلم لیگ کے علاوہ بھی کچھ سیاسی جماعتیں تھیں اور کچھ جلدی میں معرض وجود میں آگئیں مگر مسلم لیگ کی طاقت اور پھیلاؤ کے سامنے ان کا چراغ نہ جل سکتا تھا لہذا چند سال تک پاکستان مسلم لیگ، پاکستان کے مرکز اور صُوبوں پر بلاشرکت غیرے مسلط و قابض رہی اور اس مدت میں اُس نے اس قدر ٹھوکریں کھائیں اس قدر غلطیاں کیں کرنے کے بہت سے کام نہ کیے اور نہ کرنے کے بہت سے کام کر ڈالے۔''[۲۹]

پاکستان کی خالق جماعت قیامِ پاکستان کے بعد سب سے بڑھ کر نہ صرف مسلمانانِ پاکستان بلکہ مجموعی طور پر پوری امتِ مسلمہ کی امنگوں کا مرکز تھی مگر افسوس کا مقام ہے کہ امنگوں پر تو پانی پھرا ہی غیروں اور مخالفین کے خدشات بھی مسلم لیگ کے کردار سے ہی سچ ثابت ہونے لگے۔

قراردادِ مقاصد اور علماء کرام:

قائداعظم کے بعد ان کے جانشینیوں میں سب سے نمایاں نام پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان کا ہے جنہوں نے فکری و عملی انتشار کی ساری فضا کے باوجود قیام پاکستان کے فوراً بعد قراردادِ مقاصد کی منظوری کے لیے قائدانہ جدوجہد کی۔ تحریکِ پاکستان کے مقاصد کے بارے برملا اعلان کیا کہ جہاں تک لوگوں کی اس اُمنگ کا تعلق ہے کہ پاکستان میں اسلامی اصولوں

کے مطابق حکومت ہونی چاہیے دستور ساز اسمبلی کی پاس کردہ قرارداد مقاصد اس کی کافی ضمانت ہے میرا یہ ایمان ہے کہ اگر ہم نے پاکستان میں اسلامی حکومت قائم نہ کی تو پاکستان زندہ نہیں رہ سکے گا۔[۳۰]

اگر چہ نوابزادہ لیاقت علی خان نے قرارداد مقاصد کی منظوری کی صورت میں دستوری اور قانونی سطح پر پاکستان کے لیے ایک اسلامی ریاست کا ہدف واضح طور ر متعین کر دیا تھا مگر اُن کی قیادت ہی میں مسلم لیگ کی صفوں میں اسلام پسندی کا رنگ پھیکا پڑتا گیا وہی مسلم لیگ جس نے ۱۹۴۰ء کے بعد اپنے سفر کا آغاز اسلامی حکومت کے خوابوں کے ساتھ کیا تھا انہی خوابوں کے باعث وہ اسلام پسند اہل دانش اور علماء کے لیے بھی قابل قبول بنی تھی اور مسلمان عوام کی توجہ بھی حاصل کر پائی تھی آل انڈیا مسلم لیگ کے اسسٹنٹ سیکرٹری مولانا ظفر احمد انصاریؒ کو جناحؒ کا خاص معتمد ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔شہادت دیتے ہیں کہ مسلم لیگ کے جھنڈے تلے اسلامی حکومت کا خواب کس طرح آنکھوں میں سجایا گیا تھا۔

''دراصل پاکستان کی قرارداد سے پہلے ہی مختلف گوشوں سے ''حکومت الہیہ''، ''مسلم ہندوستان'' اور ''خلافت ربانی'' وغیرہ کی آوازیں اٹھنے لگی تھیں علامہ اقبال نے ایک آزاد مسلم ہندوستان کا تصور پیش کیا تھا۔مودودی صاحب کے لٹریچر نے حکومت الہیہ کی آواز بلند کی تھی چوہدری افضل الحق نے اسلامی حکومت کا نعرہ لگایا تھا۔مولانا آزاد سبحانی نے خلافت کا تصور پیش کیا تھا جگہ جگہ سے اس آواز کا اٹھنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ مسلمان اپنے مخصوص طرز فکر کی حکومت قائم کرنے کی ضرورت پوری شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔''[۳۱]

گویا کہ قرارداد پاکستان ۱۹۴۰ء سے قبل ہی علامہ اقبال کے علاوہ بھی اسلامی حکومت کے لیے طلب کئی گوشوں سے ظاہر ہو رہی تھی اور اس طلب کو ایک کامیاب عملی جدوجہد اور تحریک کی شکل مسلم لیگ ہی نے دی مولانا انصاری جہاں علماء اور دانشوروں کا حوالہ دیتے ہوئے گواہی دیتے ہیں کہ وہ اسلامی حکومت کا شعور پیدا کر رہے تھے وہاں جدید تعلیم یافتہ طبقے میں بھی اسلام کے احیاء کی تڑپ کا تذکرہ کرتے ہیں۔

''اس زمانے میں علمی کوتاہی اور فکری الجھن کے باوجود انگریزی داں طبقہ کی بہت بڑی تعداد ایسی تھی جو اسلام کو پوری طرح مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں حکمران دیکھنا چاہتی تھی پرانے تعلیم یافتہ افراد تو اس مسلک کے داعی تھے ہی لیکن جدید طبقہ بھی پورے اخلاص کے ساتھ اسلام ہی کے احیاء کے لیے کوشاں تھا اور یہ تمام اصحاب اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ علماء زیادہ سے زیادہ تعداد میں لیگ میں شامل ہوں تاکہ اس قومی تنظیم کے مزاج پر اسلامی رنگ غالب رہے۔'' ۳۲

اسلامی حکومت کا احساس اتنا بڑھ گیا تھا کہ خود یوپی مسلم لیگ نے ۱۹۴۰ء میں جید علماء اور مفکرین پر مشتمل ایک کمیٹی اسلامی نظام حکومت کا خاکہ بنانے کے لیے قائم کی اس کمیٹی میں سید سلیمان ندوی، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، مولانا آزاد سبحانی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی وغیرہ شامل تھے۔ ۳۳

مولانا مودودیؒ جنہیں مسلم لیگ کا ایک خاص طبقہ ہمیشہ (کئی دیگر علماء کی حقیقی مخالفت کو نظر انداز کر کے) پاکستان کا مخالف ثابت کرتا رہتا ہے اور جنہوں نے قیام پاکستان کے ساتھ ہی اسلامی حکومت کے قیام کے لیے ٹھوس اور منظم جدوجہد کا کام تیز کر دیا بالکل ابتدائی برسوں ہی میں مسلم لیگ سے دردمندانہ اپیل کرتے ہیں۔

''میں اپنے مسلم لیگی بھائیوں سے کہتا ہوں کہ آپ نے پاکستان اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے مانگا تھا آپ نے سب کچھ اسلام کے نام پر کیا اب آپ آزمائش میں ڈال دیے گئے ہیں اس آزمائش پر آپ پورا اترنا چاہتے ہیں تو اس مطالبہ کو اپنا بنایئے اسے ابتدائی مسلم لیگیوں سے پاس کرایئے پھر صوبائی مسلم لیگیوں کے سامنے یہ مسئلہ لایئے اور پھر جو لوگ اس مطالبے سے متفق نہ ہوں انہیں مسلم لیگ سے باہر نکال دیجئے اب اشتراکیوں اور ملحد قسم کے لوگوں کے مسلم لیگ پر قابض رہنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔'' ۳۴

گویا کہ مولانا مودودی ایک طرف تو اسلامی حکومت کے قیام کے لیے مسلم لیگ کی جدوجہد کا اعتراف کر رہے ہیں مگر ان کا احساس یہ ہے کہ اب پاکستان کی خالق جماعت نے اصل ہدف کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا ہے اسی طرح اسلامی حکومت کے قیام کی ذمہ داری بھی مولانا

مودودی مسلم لیگ ہی کے کندھوں پر ڈالنا چاہتے ہیں اس سے اس غلط فہمی کا ازالہ ہو جانا چاہیے کہ علماء بالعموم اور مولانا مودودی بالخصوص اپنے لیے اقتدار کی خواہش کر رہے تھے بلکہ وہ یہ اعزاز مسلم لیگ ہی کو دینا چاہتے تھے تاہم اُن کے خیالات میں اس امر کا اشارہ بھی ہے کہ اسلامی حکومت کے وعدوں اور دعووں کے ساتھ قائم ہونے والی مسلم لیگ پر اب لبرل (Liberal) عناصر کا قبضہ ہے چنانچہ وہ مسلم لیگی کارکنان کو اپنا بھائی تصور کر کے مسلم لیگ کی صفوں سے الحاد سے وابستہ افراد کو صاف کرنا چاہتے ہیں مزید یہ کہ مسلم لیگ سے ہی توقع ہے کہ وہ اپنے وعدے وفا کرے گی مگر بدقسمتی سے خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا کے مصداق مسلم لیگ وعدے تو کیا وفا کرتی خود ہی ہائی جیک ہو گئی وہ علماء جو مسلم لیگ کے ہمنوا تھے اب مسلم لیگ کی صفوں میں اُن کے لیے گنجائش ختم کر دی گئی قیام پاکستان کے بعد لیگی قیادت اسلام کا نعرہ اور اسلامی حکومت کی اصطلاح کی محض آڑ لینا چاہتے تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ شعوری طور پر مغربی فکر کو پروان چڑھانے کی کوشش شروع کر دی گئی اور پھر دیدہ دلیری کی یہ انتہا بھی سامنے آنے لگی کہ جناح اور اقبال کو بھی لادین مقاصد کے حصول کے لیے سیکولر ثابت کیا جانے لگا۔ پھر اس روش کی ٹھوس وجہ مسلم لیگ کا رویہ ہے جناحؒ کی وفات کے بعد لیگی قیادت کی اولین ذمہ داری یہ تھی کہ تحریک پاکستان کی اساسی فکر کو واشگاف انداز میں نمایاں رکھا جاتا اور اسلامی حکومت کے قیام کے لیے اقدامات کیے جاتے مگر اس کے برعکس مسلم لیگ ہی کے اپنے خدوخال بدلنے لگے پھر مسلم لیگ میں روشن خیال اور لبرل ازم کے حواری اپنے قدم جمانے میں اس حد تک کامیاب ہوئے کہ قیام پاکستان کی نظریاتی بنیادیں ہی غیر مستحکم کی جانے لگیں۔ ڈاکٹر وحید قریشی اس کا پس منظر بیان کرتے ہیں۔

"What kind of Pakistan Quaid-e-Azam Mohammad Ali Jinnah wanted is a valid question for, afterall, he was its co-founder and had definite ideas about it. But unfortunately, two things make it rather difficult. First, the whole set of his speeches is not yet available in one

place. The ones we have either belong to the period before 1929 or to 1947-48. Second, selective reading of the Quaid's mind by political groups and their unsing bits and pieces to support their preferred idealogies has clouded his real image."(35)

چنانچہ بانی پاکستان کے اقوال اور تقاریر میں سے بہت قلیل حصے کو سیاق وسباق سے کاٹ کر اسی طرح اقبال کے کلام سے ملا کے عنوان سے پائے جانے والے اشعار کو بنیاد بنا کر ایک فلسفہ تراشا جاتا ہے جو ایک روشن خیال اور لبرل ریاست کی تشکیل ہے نہ کہ اسلامی ریاست۔ اور جو لوگ اسلامی ریاست کے قیام پر زور دیتے ہیں اُنہیں دلیل دی جاتی ہے کہ قائداعظم اور علامہ اقبال دونوں تھیوکریسی کے خلاف تھے جس میں ریاست پر ملا یا علماء کا قبضہ ہوتا ہے مولانا مودودی اس عذر کے جواب میں لکھتے ہیں کہ

''ایک عذر یہ تراشا گیا ہے کہ اسلامی حکومت تو ملاؤں کی حکومت ہوگی اور ملا دنیا کے معاملات کو کیا جانیں میں اس عذر کے گھڑنے والوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہم آپ کے اس بادبان سے ہوا نکال چکے ہیں پاکستان میں اب جو لوگ اسلامی نظام کے مطالبے کو لے کر اٹھے ہیں وہ ملا ہی ہیں آپ کی طرح دنیا کے معاملات کو بھی خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں۔'' ۳۶

جہاں تک ریاست میں ملا یا علماء کے کردار سے تھیوکریسی کا خطرہ ہے اور اقبال کی فکر کی بنیاد بنا کر علماء کے کردار کی نفی کی جاتی ہے یہ رویہ بھی اقبال ہی کے خیالات کی غلط ترجمانی کی روش پر مبنی ہے خود اقبال کے خیال میں:

"One more question may be asked as to the legislative activity of a modern Muslim assembly which must consist at least for the present, mostly of men possessing no knowledge of the subtleties of Mohammedan law. Such

an assembly may make grave mistake in their interpretation of law. How can we exclude or at least reduce the possibilities of erroreous interpretation? The Persian constitution of 1906 provided a separate ecclesiastical committee of Ulema---conversant with the affairs of the world---having power to supervise the legislative activity of the mejlis".

جناح اور اقبال کا تصور اسلام

اس امر سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا کہ جناحؒ اور اقبالؒ دونوں کے قیام پاکستان کی تحریک پر بے حد گہرے اثرات تھے اور بادی النظر میں دونوں خاص طور پر جناحؒ ایک مذہبی شخصیت کا تشخص نہ رکھتے تھے مگر دونوں ہی شخصیات اقوام عالم کی تہذیبوں، مذاہب اور قوانین کا مطالعہ کرنے کے بعد اسلام ہی کو نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں بلکہ پوری دنیا کے انسانوں کا نجات دہندہ سمجھتے تھے ریگینالڈ (Reginald) نے قائداعظم کے بارے میں بڑی حقیقت پسندانہ رائے دی ہے۔

"Jinnah in a sword of Islam resting in secular scabbard".(38)

مرحوم جسٹس گل محمد خان اسی سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"Quaid-i-Azam, right the start of his compaign, for a separate homeland for the Muslims had in his mind the type of state which was to be governed in accord with the prvisions and principles of Islam."(39)

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ محض عقیدت کی بناء پر نہیں بلکہ ٹھوس مطالعے اور حقائق کی بنیاد پر اسلام ہی کو نہ صرف مسلمانان پاک و ہند بلکہ تمام انسانوں کا نجات دہندہ اور قابل عمل دین سمجھتے تھے

مگر قیام پاکستان کے ساتھ ہی محض ایک خطے کے حصول کو منزل سمجھ کر خود اُن ہی کے ساتھیوں نے جس کردار اور رویے کا مظاہرہ کیا پاکستان تو آج بھی اُس کی سزا بھگت رہا مگر ستم ظریفی یہ ہے کہ محسن پاکستان بھی اپنی بیماری کے آخری لمحوں میں بے بسی اور مظلومیت کی جس کیفیت سے گزرے وہ احسان فراموشی کا تلخ ترین باب ہے جب مرض کی شدت میں ۱۱ ستمبر کو آپ کو طیارے کے ذریعے کراچی ائیر پورٹ پر لایا گیا تو آپ کو گورنر جنرل ہاؤس لانے والی ایمبولینس کا پٹرول ختم ہو گیا چنانچہ مادر ملت نے ملٹری سیکرٹری کو متبادل انتظام کے لیے کہا چنانچہ ڈاکٹر ایم اے مستری بھی ساتھ چلے گئے اس کے بعد کی صورتحال کے بارے میں خالد محمود ربانی لکھتے ہیں۔

''کرنل نولز اور ڈاکٹر مستری کو گئے ہوئے بڑی دیر ہو گئی تھی لیکن نہ فوجی ایمبولینس کا انجن درست ہوا اور نہ کوئی اور متبادل انتظام ہو سکا۔ ڈاکٹر الٰہی بخش اور ڈاکٹر ریاض بار بار قائد کی نبض دیکھتے تھے جو بتدریج کمزور ہو رہی تھی محسنِ قوم کو ایمبولینس سے کار میں منتقل کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ سٹریچر کار میں نہیں رکھا جا سکتا تھا اور خود قائد میں بھی اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ کار میں بیٹھ یا لیٹ سکتے اس موقع پر یہ امر تعجب خیز ہے کہ دارالحکومت کراچی میں کسی بھی بڑی شخصیت نے یہ جاننے کی زحمت ہی نہ کی کہ قائداعظم سوا چار بجے سہ پہر ماڑی پور کے ائیر پورٹ پر پہنچنے کے بعد ابھی تک گورنر جنرل ہاؤس کیوں نہیں پہنچے ان کا قافلہ کہاں ہے اور قائداعظم کا کیا حال ہے؟ یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ کوئٹہ سے قائداعظم کی روانگی کی اطلاع کراچی نہ پہنچی ہو''۔[۴۰]

مسٹر ربانی اس صورتحال کا مزید تجزیہ کرتے ہیں:

''سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ماڑی پور ائیر پورٹ میں ٹیلی فون نہیں تھا کہ کسی نے اپنے طور پر قائد کی آمد سے متعلق اطلاع حاصل نہ کی؟ کیا اُن دنوں وی آئی پی گاڑیوں کے ساتھ وائرلیس کے ذریعے کنٹرول روم سے رابطہ نہیں ہوتا تھا ملک کے گورنر جنرل اور مسلمانوں کے قائداعظم کا محدود قافلہ ائیر پورٹ اور گورنر جنرل ہاؤس کے درمیان مختصر سے سفر میں لاپتہ ہو جاتا ہے مگر کسی ذمہ دار شخصیت کو تشویش نہیں ہوتی کیا یہ نکات رونگھٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی نہیں کہ خصوصی طیارہ کوئٹہ پہنچتا ہے تو اس میں آکسیجن پوری نہیں ہے نرس کے بغیر آرمی ایمبولینس ائیر پورٹ

پر آتی ہے تو راستے میں محض چند منٹ سفر کرنے کے بعد جواب دے دیتی ہے مستزاد یہ کہ دوسری ایمبولینس کے حصول میں ناقابل قیاس اور افسوسناک تاخیر ہوتی ہے۔ کہیں قائداعظم کی علالت کی شدید ترین نوعیت کا خیال کرتے ہوئے دارالحکومت کراچی میں جوڑ توڑ تو شروع نہیں ہو چکا تھا کہ سب لوگ نفسانفسی کے عالم میں تھے اور کسی کو قائد کا ہوش نہیں تھا۔''[۴۱]

اس چونکا دینے والی صورتحال کا یقین کرنا ہی مشکل ہو جاتا ہے مگر یہ تلخ حقیقت ہے کہ قیام پاکستان کے بالکل ابتدائی دنوں میں ہی ایسے عناصر اور گروہ مسلم لیگ کی صفوں میں گھس کر اپنے مفادات کے حصول کی حکمت عملی طے کر چکے تھے جس کے تحت قائداعظم کی صحت اور زندگی سے زیادہ اقتدار کو اولیت حاصل تھی۔ چنانچہ خوش گمانی سے نکل کر صورتحال کا حقیقی ادراک واضح کر دیتا ہے کہ جو مسلم لیگ اپنے محسن اور عظیم راہنما کے ساتھ علالت کے عروج بلکہ مرض الموت کی حالت میں انتہائی غیر ذمہ دارانہ بلکہ مجرمانہ رویہ اختیار کر سکتی تھی اُس سے اسلامی حکومت کے قیام کی توقع رکھنا اس سادگی پر کون نہ مر جائے اے خدا کے مصداق ہے مسلم لیگ کی ترجیحات بدل چکی تھیں چوہدری ظفر علی کے بقول قیام پاکستان کے بعد مقتدر طبقوں اور بعض مسلم لیگیوں کا بڑا مسئلہ کسی ایسے راستے کی تلاش تھا جو عوام کی حمایت کے بغیر اُنہیں زیادہ دیر تک اقتدار میں رکھ سکے۔[۴۲]

دوسری بڑی سچائی (جو تلخ بھی ہے) یہ ہے کہ اس ملک کو بنانے والی جماعت ہی نے اپنی کرتوتوں سے تھوڑے ہی عرصے میں اس کے زوال کا آغاز کر دیا اور ملک میں سیاسی تنظیم کی کوئی اعلیٰ روایت قائم نہ ہو سکی حکمران جماعت مسلم لیگ کے راہنما اور بعض کارکن نئے اور یکدم پیدا ہونے والے وسائل کی فراوانی سے بوکھلا گئے اور ان کے قدم ڈگمگانے لگے اور وہ اقتدار کا مزہ لوٹنے اور دولت سمیٹنے کے پیچھے لگ گئے اور وہ سیاست جس کو اپنی زندگی اور توانائی کے لیے اُصولوں اور ضابطے کی ضرورت تھی ہوس اقتدار کی بھینٹ چڑھ گئی۔[۴۳]

گو کہ قائداعظم نے قیام پاکستان کی بنیاد اسلام اور صرف اسلام کو قرار دیا مگر آج تک اُن کے ہی بعض بیانات کی مخصوص تاویل کر کے پاکستان کو اُس کی حقیقی منزل سے دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے چنانچہ آخر میں پاکستان کے بارے میں محمد علی جناحؒ کے حقیقی تصورات کا جائزہ لینے کے لیے

درج ذیل بیانات قابل غور ہیں جس سے قائد کے اسلام پسند ہونے کا بین ثبوت مل جاتا ہے۔

ڈاکٹر ریاض علی شاہ لکھتے ہیں کہ قائداعظم کے آخری الفاظ ''اللہ۔ پاکستان'' تھے۔ جبکہ مادر ملت کہتی ہیں کہ قائداعظم نے میرے ساتھ بات کرنے کی آخری کوشش کی اور سرگوشی کے انداز میں کہنے لگے۔ فاطی۔ خداحافظ۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ۴۴

☆☆☆☆☆☆☆☆

مصادرومراجع

۱۔ خان رشید الدین، ابوالکلام آزاد، شخصیت، سیاست، پیغام مکتبہ قدوسیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، ۱۹۹۲ء، ص: ۸۷، ۸۸

2. Saleri, Z.A, My leader, Pakistan Times Press, 1982, p.342-343

۳۔ مرزا، محمد منور، پروفیسر، دیوارِ برہمن، مکتبہ وحدت ملی اردو بازار لاہور۔ ۱۹۹۲ء، ص: ۲۵۶، ۲۵۷

4. Safdar Mahmood, Dr, The Consitution of Pakistan, A.H Publishers Urdu Bazar Lahore.1994, P-3

5. Ansari, Zia-ud-Din, The Analytical and critical Essays on Pakistan Affairs, Azeem Academy Lahore, 1995, P-369.

۶۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، اسلام اور پاکستان، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۱۹۸۴ء، ص: ۱۹، ۲۰

۷۔ عقیل ،ڈاکٹر معین الدین تحریک آزادی میں اردو کا حصہ، انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۷۶، ص:۳۶۱، ۳۶۲

۸۔ ایضاً ص:۳۶۵

۹۔ قریشی، ڈاکٹر وحید، پاکستان کی نظریاتی بنیادیں، ایجوکیشنل ایمپوریم لاہور۔ ۱۹۷۳، ص:۲۶

۱۰۔ جالبی، ڈاکٹر جمیل، پاکستان کلچر، نیو مجاز پریس کراچی، ۱۹۹۷، ص۱۵۳، ۱۵۴

11. Ishtiaq Ahmad, The Concept of an Islamic State, Frances Printer (Publisher), London, 1987. P-74

12. G.W Choudhry, Pakistan Transition from military to civilian rule, Scorpion Publishing Ltd, England, 1988.P-83

۱۳۔ مرزا، محمد منور، پروفیسر، پاکستان، حصار اسلام، گوہر سنز اردو بازار لاہور۔ ۱۹۹۸، ص۳۶،

۱۴۔ مرزا، محمد منور، پروفیسر، دیوار برہمن، مکتبہ وحدت ملی لاہور، ۱۹۹۲، ص:۱۱۸

۱۵۔ محمد عثمان، پروفیسر، پاکستان کی سیاسی جماعتیں، سنگ میل لاہور، ۱۹۹۰، ص:۲۴

16. Jamil-ud-Din Ahmad, Speeches and writings of Mr.Jinnah (Lahore: Sheikh Mohammad Ashraf,)V.2, P-143

17. Bashir Ahmad Dar, letters of Iqbal (Lahore: IqbalAcademy, 1978). P-285.

18. Speeches and writings of Mr.Jinnah, P-145

۱۹۔ مرزا،محمد منور،پروفیسر،دیوار برہمن،ص:۲۳۳

۲۰۔ اسراراحمد،ڈاکٹر،استحکامِ پاکستان،مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور۔
۱۹۹۱،ص:۲۱

۲۱۔ کوثری،آزاد،پاکستان کلچر کی مختلف جہتیں،ری پبلکن بکس،ٹمپل روڈ
لاہور،۱۹۸۸،ص:۴۰

۲۲۔ ایضاً،ص:۴۷

24. Dr.G.H Zulfiqar, Pakistan as Visualized by Iqbal and Jinnah (Selected and compiled) Bazm-i-Iqbal, Lahore.p-223

25. Dr. Nasim Hassan Shah, Quaid-e-Azam Whether Secularist or Fundamentalist published in Al-Hibba (Journal) Lahore, May, 2000. P.10-11

۲۶۔ اسراراحمد،ڈاکٹر،اسلام اور پاکستان،ص:۲۶

۲۷۔ آزاد،مولانا ابو الکلام،آزادی ہند،مرتبہ ہمایوں کبیر،ارشد بک سیلرز میر پور
کشمیر،۱۹۹۶ء،ص:۳۱۴

۲۸۔ جالبی،ڈاکٹر جمیل،پاکستان کلچر،ص:۲۳

۲۹۔ محمد عثمان،پروفیسر،مسعود اشعر،پاکستان کی سیاسی جماعتیں،سنگ میل پبلیکیشنز
لاہور،۱۹۹۰ء،ص:۱۰،۱۱

۳۰۔ پاکستان ٹائمز،۹ دسمبر،۱۹۴۹

۳۱۔ انصاری،مولانا ظفر احمد،نظریہ پاکستان اور علماء،چراغ راہ نظریہ پاکستان کراچی،
دسمبر ۱۹۶۰ء،ص:۲۳۳

۳۲۔ ایضاً،ص:۲۳۴

۳۳۔ ایضاً،ص ۲۳۳

۳۴۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا مطالبہ نظام اسلامی، ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور۔ اگست، ۱۹۴۹ء ص:۲۳

35. Qureshi,Dr.Wahid, Jinnah's and Iqbal's Pakistan Published in Pakistan between secalarism and Pakistan by Tank Jan Institute of Policies studies Islamabad, 1998, P-73.74

۳۶۔ مولانا مودودی، مطالبہ نظام اسلامی، ص:۳۱

37. Iqbal, Allama Mohammad, Reconstruction of Religious Thought in Islam, sixth lecture, Sh, Muhammad Ashraf New Anarkali Lahore 1988.P-175

38. Reginald Sorensen, My impression of India, London, 1946, P-109 with reference Quest for Islamization by Justice (Retd) Gul Muhammad Khan, Pakistan Study Centre Punjab University Lahore. 1999 P-8

39. Khan , Gul Muhammad, Jistice (Retd) Quest for Islamization, Pakistan Study Centre Punjab University Lahore. 1999 P-8

۴۰۔ ربانی، خالد محمود، قائداعظم کے آخری ۵۰ دین اوراُن کے ذاتی معالج، پاکستان سٹڈی سنٹر، قائداعظم کیمپس پنجاب یونیورسٹی لاہور،۱۹۸۹ء، ص:۴۲

۴۱۔ ایضاً ص:۴۳

۴۲۔ ظفر علی، چوہدری، پاکستان کی ترقی پسند تحریکیں اور تنظیمیں، گندھارا، راولپنڈی ۱۹۱۱ء ص:۱۱

۴۳۔ محمد عثمان، پروفیسر، مسعود اشعر پاکستان کی سیاسی جماعتیں، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۰ء، ص:۱۰، ۱۱

۴۴۔ ربانی، خالد محمود، قائداعظم کے آخری ۵۰ دن اوران کے ذاتی معالج ص:۴۷

☆☆☆☆☆☆☆☆